فلسطین کا حق دار کون: اسرائیل یا فلسطینی مسلمان؟

ڈاکٹر محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

فلسطین کا مسئلہ اِک زمانے سے یہودیوں اور مسلم فلسطینیوں کے مابین اک نزاعی مسئلہ بنا ہوا ہے۔اس کی بنیاد پر نہ جانے کتنی خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں! نہ جانے کتنے خاندان تباہ ہو چکے ہیں! اور نہ جانے کتنے ایمان فروش اپنے ایمان کا سودا کر کے رسوائے زمانہ ہو چکے ہیں! اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ فلسطین ان کا ہے، جبکہ رواں نصف صدی کے غاصبانہ قبضے سے پہلے تاریخ کے کسی دور میں بھی انہیں حاکمانہ اور فاتحانہ حیثیت میں وہاں رہنا، یا بسنا نصیب نہیں ہوا۔اس کے برعکس مسلمانوں کی اس سے گہری وابستگی ابتدائے اسلام سے ہی ثابت ہے۔قرآن پاک کی مشہور سورہ ہے، سورہ اسراء۔اس سورہ کی ابتدا ہی اس بیان سے ہوتی ہے کہ بڑی عظمتوں کا مالک ہے وہ اللہ جو اپنے محبوب بندے' یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی لے گیا، جس کے گرد و پیش ہماری طرف سے برکتوں کا سایہ رہتا ہے، وہ اسے لے گیا تاکہ وہاں اسے اپنی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ارشاد الہی ہے:

(سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُ

راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی، یعنی بیت المقدس آپ کو لے جانا، دراصل اس بات کا اعلان تھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالمی نبوت ہے، جس سے مسجد اقصی کا بھی ویسا ہی تعلق ہے، جیسا مسجد حرام کا۔اور عنقریب مسجد حرام اور مسجد اقصی، دونوں کی کنجیاں آپ کے ہاتھوں میں آجائیں گی۔

مسجد حرام کی کنجیاں تو فتح مکہ کے بعد ہی آپ کے ہاتھوں میں آگئیں، اور مسجد اقصی کی کنجیاں دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ فاروق کے عہد خلافت میں آپ کی وفات کے چھ سال بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئیں۔مسجد اقصی کی کنجیاں آپ کے ہاتھوں میں آئیں، یا آپ کے جاں نثاروں کے ہاتھوں میں آئیں، دونوں ایک ہی بات تھی۔

سنہ 71 ہجری میں مسلمانوں نے فلسطین کو فتح کیا' اور امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق نے یروشلم کا تاریخی سفر کر کے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے وہاں کے عیسائی پادری سے اس کی کنجیاں حاصل کیں۔

اس موقع پر امیر المومنین نے جس خوش اخلاقی، جس کشادہ دلی، جس عالی ظرفی اور جس بے لوثی سے وہاں کے عیسائیوں کے ساتھ معاملہ کیا، اور جیسے بلند اسلامی کردار کا مظاہرہ کیا، اس نے ان سب کا دل جیت لیا، اور ان میں سے بہت سے لوگ اسی وقت اسلام لے آئے۔ اس وقت سے مسلم امت کا بیت المقدس سے جو رشتہ قائم ہوا، وہ صدیوں تک قائم رہا، اور اس شان سے قائم رہا کہ فلسطین اسلامی تہذیب کا گہوارہ بن گیا، اور وہاں کے در و دیوار سے اسلامی تہذیب کی شعاعیں پھوٹنے لگیں۔ جب 1096 عیسوی میں اسلام اور مسلم حکومتوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا، تو اس کے نتیجہ میں کچھ مدت کے لیے دوسرے مسلم علاقوں کی طرح فلسطین پر بھی عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا، اور مسلم امت وہاں سے بے دخل ہو گئی۔ مگر یہ محرومی اور زبوں حالی زیادہ دنوں باقی نہیں رہی، جلد ہی وہ وقت آیا، کہ ملت اسلامیہ کے ایک جسور و غیور، نیک دل اور شیر دل فرزند سلطان صلاح الدین ایوبی کے فلک بوس آہنی عزائم نے ظالم اور خوں خوار صلیبی طاقتوں سے ٹکر لی، اور اس طرح ٹکر لی کہ ان کے کبر و نخوت کے شیشے چکنا چور ہو گئے! اس نے یکے بعد دیگرے ان پر تابڑ توڑ حملے کیے، اور اپنی زبردست ایمانی حرارت، اور بے پناہ جنگی مہارت سے ان ظالم و جابر حکومتوں کے پرخچے اڑا دیے، بالآخر نوّے (90) سال کے ظالمانہ قبضے کے بعد وہ صلیبی طاقتیں نہایت بے بسی کے ساتھ پیچھے ہٹنے، اور بیت المقدس کو دوبارہ مسلم امت کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئیں! اس وقت سے لے کر خلافت عثمانیہ کے سقوط تک، یعنی مسلسل کئی صدیوں تک فلسطین کی سرزمین مسلم امت کو اپنی آغوش محبت میں لیے رہی، اور نہایت آب و تاب کے ساتھ اسلامی تہذیب و ثقافت کی نمائندگی کرتی رہی۔

پھر پہلی عالمی جنگ کے موقع پر 11، دسمبر 1917 عیسوی کی منحوس صبح طلوع ہوئی، اور انگریز اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ فلسطین میں داخل ہو گئے، اور ناجائز طور پر اس پر قابض ہو گئے۔

پھر کچھ عرصہ بعد جب انہیں دوسرے ممالک کی طرح فلسطین سے بھی بھاگنا پڑا، تو انہوں نے شرق اوسط میں اپنے گھٹیا مفادات کے تحفظ کے لیے وہاں حکومت اسرائیل کا قیام ضروری سمجھا، حکومت اسرائیل کے لیے انہوں نے فلسطین کا انتخاب کیا، اس لیے کہ ان کے ذلیل استعماری مقاصد کی تکمیل کے لیے فلسطین سے زیادہ موزوں کوئی اور جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی وقت سے انہوں نے فلسطینی مسلمانوں کے خلاف گھناؤنی سازشوں کے جال بننے شروع کر دیئے، اور نہایت بے رحمی اور سفّاکی کے ساتھ وہاں کے مسلمانوں کو قتل کرنے، جو وہاں صدیوں سے بسے ہوئے تھے، انہیں وہاں سے بھگانے، اور ان سے فلسطین کو خالی کرانے کی ناپاک مہم شروع کر دی۔ ان گھناؤنی سازشوں میں اقوام متحدہ نے ہر طرح سے ان کا ساتھ دیا، اور آج تک نہایت بے شرمی سے ان کا ساتھ دے رہی ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے، کہ کسی زمانے میں مسلمانوں نے بھی بہت سے ملکوں کو فتح کیا تھا، جس طرح دوسری قومیں مختلف زمانوں میں ملکوں کو فتح کرتی رہی ہیں، مگر مسلمانوں کی فتوحات اور دیگر قوموں کی فتوحات میں بنیادی فرق یہ رہا ہے، کہ دوسری قوموں نے ہمیشہ ملکوں کو فتح کیا ہے انہیں لوٹنے، ان کے خزانوں پر قبضہ کرنے، اور اپنی سلطنت، یا اپنے دائرۂ اقتدار کو وسیع کرنے کے لیے، چنانچہ اس کے لیے انہوں نے وہاں کے باشندوں کو بے دریغ قتل کیا، ان کی آبادیوں کو نہایت بے دردی سے لوٹا، اور ہر طرح سے ان کی طاقت توڑنے، اور ان کی تعداد گھٹانے کی کوشش کی۔ اس کے برعکس مسلم امت نے جب بھی ملکوں کو فتح کیا ہے، وہاں کی مظلوم رعایا کو ان کے ظالم و جابر بادشاہوں سے نجات دلانے کے لیے فتح کیا ہے، انہوں نے ہمیشہ ظالم بادشاہوں اور ان کی خونخوار فوجوں سے جنگ کی ہے، کبھی رعایا پر ہاتھ نہیں اٹھایا ہے۔ انہوں نے کبھی کسی بوڑھے، کسی کمزور، کسی عورت، اور کسی بچے پر ہاتھ نہیں اٹھایا، نہ کسی بھی طور سے انہیں کوئی نقصان پہنچایا ہے۔ انہوں نے وہاں کے باشندوں کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور غم خواری کا معاملہ کیا ہے، کبھی انہیں لوٹنے اور اجاڑنے، اور وہاں کی دولت اپنے ملکوں میں منتقل کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ حد یہ ہے کہ جن دشمن فوجوں سے انہوں نے جنگ کی ہے، جنگ ختم ہونے، اور ان پر فتح حاصل ہو جانے کے بعد ان کے زخمی فوجیوں کو جان سے مار دینے کے بجائے خود اپنے ہاتھوں سے ان کی مرہم پٹی کی ہے، حسب ضرورت ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا ہے، اور ہر طرح سے ان کی جان بچانے، نیز ان کے اخلاق سنوارنے، اور انہیں حق کی روشنی دکھانے کی کوشش کی ہے! چنانچہ مفتوحہ ممالک کی رعایا نے انہیں ہمیشہ اپنے لیے رحمت سمجھا ہے، انہیں اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی ہے، اور جب وہاں سے وہ رخصت ہونے لگے ہیں، تو باصرار انہیں روکنے کی کوشش کی ہے، اور اگر وہ رکنے کے لیے تیار نہیں ہوئے، تو محبت اور تشکر کے گرم گرم آنسوؤں کے ساتھ انہیں رخصت کیا ہے! مسلم امت کی فتوحات، اور دوسری قوموں کی فتوحات میں یہ بنیادی فرق ہے، جس کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ ایک جنگ قوموں کے لیے رحمت ہوتی ہے، اور دوسری جنگ عذاب ہوتی ہے، جس سے جنگل کے درندے، اور بلوں میں رہنے والے سانپ بھی پناہ مانگتے ہیں!

بہر کیف یہ بات ہمیں کبھی نہیں بھولنی چاہیے، کہ پہلی عالمی جنگ سے پہلے پوری تاریخ میں یہودی قوم کا فلسطین سے کوئی تعلق نہیں رہا، جبکہ مسلم امت کا اس سے تعلق ابتدائے اسلام سے ہے، اور یہ تعلق چند مہینوں اور چند سالوں کا نہیں، بلکہ مسلسل کئی صدیوں پر مشتمل ہے۔ فلسطین سے مسلمانوں کا بس یہی تعلق نہیں کہ وہ ان کا صدیوں پرانا وطن ہے، بلکہ ہجرت مدینہ کے بعد تقریباً سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس ان کا قبلہ رہا ہے، جس کی طرف رخ کر کے وہ اپنی پنجگانہ نمازیں ادا کرتے رہے ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے:

(عن البراء بن عازب قال صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحو بیت المقدس ستۃ عشر شہرا، أو سبعۃ عشر شہرا، ثم صرفنا نحو الکعبۃ)

گویا تاریخ کے ایک دور میں مسلم امت کے لیے بیت المقدس کی وہی حیثیت رہی ہے، جو اس سے پہلے، پھر اس کے بعد سے لے کر آج تک، بلکہ قیامت تک کے لیے خانۂ کعبہ کو حاصل رہی ہے، اور حاصل رہے گی۔ یہودی قوم کے پاس فلسطین کا حق دار ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، سوائے اس کے کہ فلسطین اللہ تعالی کے ان بے شمار رسولوں اور نبیوں کا مرکز رہا ہے، جن کا نسبی تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اک زمانۂ دراز تک فلسطین نبوت ورسالت کا مرکز رہا ہے، اور اس نبوت ورسالت کے تاج داروں کی بڑی تعداد بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی تھی۔

حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور نہ جانے کتنے انبیاء ورسل جن کے نام بھی کسی کو نہیں معلوم، اس لیے کہ قرآن پاک نے ان کی طرف صرف اشارے کیے ہیں، ان کے نام نہیں لیے ہیں، وہ سارے انبیاء ورسل، یا ان میں سے بہت سے لوگ اسی سرزمین مقدس میں مبعوث ہوئے، اور کار نبوت ورسالت انجام دینے کے بعد وہیں پیوند خاک ہوگئے۔ یہودی قوم ان میں سے بہتوں کو اپنا نبی کہتی، ان کا وارث ہونے کا دعوی کرتی، اور بطور وراثت اس سرزمین کا حق دار ہونے پر اصرار کرتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ کے ان نبیوں اور رسولوں سے یہودیوں کو کیا واسطہ؟ یہودی تو ان رسولوں میں سے کسی ایک رسول پر بھی ایمان نہیں لائے، نہ انہیں برداشت کیا، اس کے برعکس وہ اپنی تاریخ کے ہر دور میں ان سے برسرپیکار رہے! جن کو وہ قتل کر سکے، انہیں قتل کر دیا۔ جن کو قتل نہیں کر سکے، انہیں جھٹلاتے اور ان کی مخالفت کرتے رہے۔ قرآن پاک میں یہودیوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

(أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ۔ سورہ البقرۃ :87)

(تو کیا ایسا ہے کہ جب جب تمہارے پاس کوئی رسول آیا ایسی تعلیمات لے کر جو تمہاری طبیعت کے خلاف تھیں، تو تم نے نخوت کا مظاہرہ کیا، کسی کو تو تم نے جھٹلا دیا، اور کسی کے خون کے پیاسے ہو گئے!)

یہاں بجاطور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے، کہ کیا انبیائے بنی اسرائیل پر بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لایا؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ ایسا نہیں ہے، بلا شبہہ اللہ کے ہر نبی اور ہر رسول پر بنی اسرائیل کے تھوڑے یا زیادہ لوگ ایمان لاتے رہے، جن کا ذکر قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے، مگر ایمان لانے کے بعد وہ لوگ یہودی یا عیسائی نہیں رہتے تھے۔

وہ اپنے آپ کو مسلم کہتے تھے، اور مسلم ہی کہلانا پسند کرتے تھے۔

وہ اپنی قوم کو یہودیت یا عیسائیت کی نہیں، بلکہ اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ درج ذیل آیات اس سلسلے میں کس قدر واضح ہیں :

(84: وَقَالَ مُوسَى يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُواْ إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ---

(موسیٰؑ نے کہا: اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو، تو اس سے اچھی امید رکھو، اگر تم اسلام کے شیدائی ہو !)

(90: حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لا إِلِـهَ إِلاَّ الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَاْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ـ یونس)

(یہاں تک کہ جب وہ فرعون ڈوبنے لگا، تو اس نے پکارا: میں ایمان لایا اس بات پر کہ کوئی الہ نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اور میں بھی مسلم امت میں شامل ہوں !)

(126 : وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلاَّ أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءتْنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّ

فرعون کے جادوگروں نے کہا: (ہم پر تمہارا غصہ صرف اس وجہ سے ہے، کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اپنے رب کی آیتوں پر، جب وہ ہمارے پاس آئیں ، اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر انڈیل دے، اور ہماری جان جائے، اس حال میں کہ ہم مسلم ہوں !)

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ (النمل 44) ملکہ سبا نے کہا! اے میرے رب! میں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا، اور)
(سلیمان کے سایے میں رہتے ہوئے میں بھی اسلام لے آئی اللہ کے لیے، جو سارے انسانوں کا پالنہار ہے۔

(52 : فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللهِ آمَنَّا بِاللهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ آل عمران)

توجب عیسیٰؑ نے دیکھا وہ کفر پر مصر، یعنی ان کے قتل کے درپے ہیں، تو پکارا: کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے کہا: ہم ہیں اللہ کے)
(۔ مددگار، ہم ایمان لے آئے ہیں، گواہ رہیے کہ ہم مسلم ہیں

(111 : وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ۔

یاد کرو، جبکہ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی، کہ ایمان لے آو؟ مجھ پر، اور میرے رسول پر! انہوں نے کہا: ہم ایمان لے آئے، اور گواہ رہیے کہ)
(۔ ہم سب مسلم ہیں

ان آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ بنی اسرائیل میں آنے والے نبیوں اور رسولوں نے کبھی بھی یہودیت یا عیسائیت کی دعوت نہیں دی، بلا استثناء وہ سب مسلم تھے، اور ان سب نے اپنی قوم کو اسلام کی ہی دعوت دی۔ اس طرح جو لوگ ان پر ایمان لائے، وہ سب مسلم کہلائے، اور جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ اپنی یہودیت یا عیسائیت پر نازاں رہے، اور اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے کہلاتے رہے۔

اس موقع پر کوئی بھی ہوشمند اور عاقل انسان بآسانی یہ فیصلہ کر سکتا ہے، کہ ان انبیاء ورسل کے وارث یہودی ہوں گے، یا مسلم امت ہو گی؟ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(68 :اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ آل عمران)

ابراہیمؑ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی پیروی کی، نیز اس سے سب سے زیادہ قریب یہ نبیؑ ہے، اور وہ لوگ جو اس پر ایمان)
(لائے ہیں، اور اللہ ان مومنین کا سرپرست ہے

یہودی قوم نہ صرف یہ کہ ان نبیوں اور رسولوں کی کسی بھی طور سے وارث نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ ان سب کی دشمن ہے، لہذا ان میں سے کسی کا نام لینے کا بھی اسے حق نہیں۔ یہ بلا استثنا ان تمام رسولوں اور نبیوں کی دشمن ہے، اور خود حضرت موسیؑ کی بھی دشمن ہے، جن کا وہ نام لیتی، اور جن کی لائی ہوئی تورات کا وہ حوالہ دیتی ہے۔

اس قوم نے حضرت موسی علیہ السلام کو کتنا تنگ کیا ہے، اور کس کس طرح انہیں اذیت پہنچائی ہے، اس کا ذکر جگہ جگہ قرآن پاک میں موجود ہے، ایک :جگہ ارشاد ہے

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ آذَوْا مُوْسَى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا۔ سورہ احزاب: 69)(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم ان لوگوں کی)
(طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے موسیؑ کو اذیت پہنچائی، تو اللہ نے بچالیا اسے ان کی اذیتوں سے، وہ اللہ تعالی کے ہاں بڑے رتبے والا تھا۔

:ایک دوسری جگہ خود حضرت موسیؑ نے اپنی قوم سے اسی بات کا شکوہ کیا ہے

(5 :وَاِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ۔ سورہ ال

اور یاد کرو اس وقت کو جب موسی نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم کیوں مجھے اذیت پہنچاتے ہو؟ جب کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اللہ کی)
(! طرف سے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں

اس قوم نے جب حضرت موسی علیہ السلام کی قدر نہیں کی، تو وہ ان کی لائی ہوئی تورات کی قدر کیا کرتی؟ چنانچہ اس نے پوری ڈھٹائی سے اس پر تحریف کی قینچی چلائی، اور اسے اپنی نفسانی خواہشات کے سانچے میں ڈھال لیا! یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ اس وقت یہودی قوم کے ہاتھوں میں جو تورات ہے، یہ وہ تورات نہیں جو حضرت موسی علیہ السلام لائے تھے، حضرت موسی علیہ السلام جو تورات لائے تھے، وہ تورات اس سے بالکل مختلف تھی! اس میں بہت سی وہ باتیں ہیں، جو اس میں نہیں تھیں، اور بہت سی وہ باتیں جو اس میں تھیں، اس میں نہیں ہیں۔ ضروری ہے کہ ان باتوں کو ہم اچھی طرح سمجھ لیں، اس لیے کہ ان کے سلسلے میں بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔

آج ہمارے درمیان ایسے لوگوں کی کمی نہیں، جو حضرت موسی، حضرت داؤد، اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو یہودیوں کا نبی کہتے ہیں! حالانکہ یہ سب نبی ہمارے ہیں، یہودیوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ رسولوں اور نبیوں کا تعلق کبھی نسل و قرابت کی بنیاد پر نہیں ہوتا، بلکہ ایمان و تقوی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جو گروہ ان کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا، اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہوگا، وہی ان کا وارث ہوگا، اور جو ان کے راستے سے ہٹا ہوا، اور ان کی تعلیمات سے بے زار ہوگا، اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ آج ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو یہودیت اور عیسائیت کو آسمانی مذاہب شمار کرتے ہیں، حالانکہ یہودیت اور عیسائیت کا وحی و رسالت، یا خدا اور اس کے رسولوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالی کے ہاں سے آیا ہوا دین بس ایک دین ہے، دین اسلام۔ اللہ تعالی نے اپنی پیاری کتاب میں صاف صاف اس کا اعلان فرما دیا ہے۔ ارشاد الہی ہے: (ان الدین عند اللہ الاسلام) یعنی "اللہ کے نزدیک دین بس اسلام ہے۔" اسلام کے علاوہ جتنے بھی ادیان اور جتنے بھی مذاہب ہیں، وہ انسانوں کے خود اپنے بنائے ہوئے ہیں، ان ادیان و مذاہب کو اختیار کر کے انسان کبھی بھی اپنے رب کو نہیں پا سکتا، نہ کبھی فلاح و کامرانی کا منہ دیکھ سکتا۔ اس طرح یقینی طور پر یہودیت اور عیسائیت کی بالکل وہی حیثیت ہے، جو دنیا کے دوسرے ازموں اور دوسرے انسانی مذاہب کی ہے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود، چونکہ دین اسلام سارے انسانوں کے رب کا بھیجا ہوا دین ہے، اور وہ سارے انسانوں کی رہنمائی اور خیر خواہی کے لیے آیا ہے، اس وجہ سے اس میں کسی طرح کی تنگی نہیں ہے، اس کا سینہ سب کے لیے کشادہ ہے۔ اگر یہودی آج بھی اپنی اسلام دشمنی، اور مسلم دشمنی سے باز آجائیں، اور فلسطین کے معزز شہریوں کی حیثیت سے فلسطین میں رہنا چاہیں، تو مسلم قوم کو وہ دوسروں سے زیادہ عالی ظرف اور فراخ دل پائیں گے۔ لیکن اگر وہ مسلم امت کی غیرت و حمیت، اور اس کے وقار کو چیلنج کرتے ہیں، اور ظلم و بربریت سے اس کے کسی خطۂ زمین پر قبضہ کر کے اسے یہودی ریاست بنانا چاہتے ہیں، تو مسلم امت کسی بھی حال میں یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتی، وہ آخر دم تک اس کے لیے لڑتی رہے گی۔ اگر مسلم امت کے سروں پر مسلط کچھ حکمرانوں اور بادشاہوں کا خون سفید ہو گیا ہے، تو اس سے اسرائیل کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیے!

اسرائیل کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، کہ آج بھی مسلم امت کی رگوں میں دوڑنے والا خون نہایت سرخ ہے، اور ایمانی حرارت سے کھول رہا ہے، وہ اسلامی مقدسات کے تحفظ کے لیے ہر بازی کھیل سکتی، اور اپنی قیمتی سے قیمتی متاع کو داؤں پر لگا سکتی ہے! وہ اپنے سروں پر مسلّط ظالم و جابر اور اسلام دشمن حکمرانوں اور بادشاہوں سے بھی عاجز آچکی ہے، اور اللہ تعالی کی مدد شامل حال رہی، تو وہ وقت دور نہیں جب وہ ان سب کو اپنے پیروں سے روند کر سارے عالم کے لیے نمونۂ عبرت بنادے گی!